سلسلۂ تاریخ اختلافِ اُمّت

(۱)

خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

یعنی

اُموی خلافت کا پس منظر، سیرۃ معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ، حادثۂ کربلا و
فتنۂ حرّہ پر بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مؤلفہ

محمود احمد عباسی

قیمت:

طبع اوّل	مئی ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
〃 دوم	جولائی ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰
〃 سوئم	جنوری ۱۹۶۱ء	۲۰۰۰
〃 چہارم	جون ۱۹۶۲ء	۱۰۰۰

یہ کتاب ان مقامات سے دستیاب ہو سکتی ہے

کراچی :- مکتبہ محمود - ۶/۱ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی ۱۹
〃 :- سلطان حسین اینڈ سنز - مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

لاہور :- مکتبہ علم و حکمت - سوتر منڈی - لاہور

ملتان :- مکتبہ نادرۃ الادب اسلامی - ۲۳۲ - کوٹ تغلق شاہ - ملتان

ناشر
محمود احمد عباسی - کاشانہ محمود - ۶/۱ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی

طابع
جاوید پرنٹنگ پریس - میکلوڈ روڈ - کراچی

فہرست مندرجات

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

(طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بنچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کر دیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اتروا لئے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں۔ کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے تدبیر کنند بندہ تقدیر کند خندہ :۔ مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بدمعاملگی سے وہ سب چربے ہی ضایع نہ گئے، چھپائی بھی ناقص ہوئی۔ کاغذ بھی خراب لگا۔ بایںہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔ اب اس چوتھے ایڈیشن کے لئے قدرے بڑے سائز پر کتابت ازسرِنو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے شائقین کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد "تحقیق مزید" شایع ہوگئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض ان واقعات وحالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں۔ اس کتاب میں بھی "توضیحات" کے عنوان سے بعض ضروری

مطالب کا اضافہ ہے۔ یہ دونوں جلدیں۔ "خلافت معاویہؓ و یزید" اور "تحقیق مزید" مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیق (ریسرچ) کی ہیں ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رُخ بھی پیش کر دیئے ہیں جو اب تک مخفی اور اوجھل تھے یا اوجھل رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اس طرح کی ریسرچ ہوتی رہیگی۔ غلط تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دیگا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں اُبھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقاء کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی و تحقیقات کا تقاضا ہے تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزا اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قرآن کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جاسکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب و تردید اور صحیح و قوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے ——— بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سب وشتم ——— ہم اس کی قدر کریں گے۔ تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا واجبی مقام حاصل کر لیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ

کیا گیا ہے اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے
"آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب
کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی
کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور ان کی شہرہ آفاق
تصنیف خلافت معاویہ و یزید سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک
ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے
زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے
اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہو گئی کہ اس کی
تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول
لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا
سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی
جائے یا اس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم
کی بیقدری ہے۔ پھر اس بیقدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں
تو اس کی قباحت دو چند ہو جاتی ہے لیکن چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا
کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں
کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید" کا بنیادی نقطۂ نظر، جیسا کہ میثاق کے
قارئین جانتے ہونگے یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ
ذاکروں کی زبان سے سننے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے
جاتے ہیں وہ من و عن صحیح نہیں ہیں بلکہ انکے بیان میں بہت سی
حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔
عباسی صاحب نے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ان من گھڑت
قصوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہا

وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک
فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں جتنے تلوار سونت کر انکے مخالفین نے
در جنوں کتابیں انکے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ فاضل مصنف
نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ
کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور
اپنے دلائل کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین
کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید اردو
زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہ وغیرہ کے نقطۂ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح
صورت میں پیش کرتی ہے: خلافت معاویہ و یزید کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل
مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی
اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت
کرنے کیلئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر انہوں نے
ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں
ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر
کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو انکی تحقیق کے کڑے معیار پر
پوری اتر سکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اسکا اونچا معیار
تحقیق ہی ہے۔ عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگایا ہے جنکے
ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا
موجب بنتی ہیں۔ انکی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد
عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام
بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کذاب، رافضی
کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی
کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت کو
ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اسکے لئے ممکن نہیں

زیر نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہ و یزیدؔ ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواج مطہرات کے علاوہ لگ بھگ تین سو صحابہؓ جنہیں اصحاب عشرہ مبشرہ بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولیعہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کیلئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداہنت کے مرتکب قرار دے یا اسکے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خروج سوال بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتلایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو انکے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ انکے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے . . . .

اس کتاب میں بیشمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کیلئے یقیناً تعجب خیز ہونگے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابو طالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا، حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہربانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔

کاشانۂ محمود } محمود احمد عباسی

لیاقت آباد ۔ کراچی } ۱۰ر مئی ۱۹۶۲ء

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

عرضِ مؤلف

(طبع سوم)

سب سے پہلا یعنی ابتدائی اڈیشن اس کتاب کا مئی ۱۹۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا ماہ جولائی میں۔ کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا ــــــ پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کا تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مورخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں تین پرمدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں اس نوعیت سے تحقیق و ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔ کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی:۔

کتاب مجادلہ کیا معنی، مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقاید کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے، جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ اور ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہرحال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جا سکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و نقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر (صدق جدید ۱۹ مئی)

تاریخی تحقیق و ریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے۔ بلاشبہ ان افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور بمرور زمانہ قوم و ملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔ مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی قسم کی مخترعات کو خرافات سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

"مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور سے خود ہی کہتے ہیں۔

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقۂ علماء کے بڑے بڑے اراکین، مفسرین ہوں یا محدثین، مورخین ہوں یا دوسرے مصنفین متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے نقل کرتے آئے ہیں اور انکی صحت و عدم صحت کو معیار اصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل و تسامح کا نتیجہ یہ ہوا، کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان و قلوب میں ایسے راسخ اور استوار ہو گئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہیات کا انکار ہے۔"

(مجاہد اعظم ص ۱۴۲)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار، دس پانچ نہیں پچیس (۲۵) مشہور قصوں پر شد و مد سے جرح و نقد کرتے ہوئے متعدد کو سرے سے غلط و بے بنیاد بتایا ہے۔ اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بکاء و ابکاء کی خاطر بے سر و پا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصد اصلی سیدنا امیر معاویہ رضؓ اور امیر یزید رحؒ کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مفتریات واہیہ کے پردے چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انھیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے

اصلی خد و خال میں پیش کرنا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا۔ بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دینا اور بیان کرنا تھا

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی، کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی آب و رونق ہے مگر اس تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا، اور اصل حقیقت منکشف ہو گئی تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ درس تاریخ کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنا لیا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبد الدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کے ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرانے کی جد و جہد کی گئی۔ با آخر ۱۲ اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیں۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہو سکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کی اسپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو ان کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا۔ تو حکم ضبطی میں شامل کیا، نہ اس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ ان کے وکیل ایسا کوئی مضمون و فقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا اظہار کیا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں ریمارک کیا ہے کہ

ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہرحال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دل آزاری کے مسائل تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ و مضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدور حکم ضبطی کے وقت بتایا جا سکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا، وہاں ان کا سیکریٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعے عدالت کے سامنے! ان کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی و تہی دستی تو اظہر من الشمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا۔ حکم ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے گویا وہی بات ہوئی کہ:-

ع۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لئے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور و نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور شور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیۃ العلماء کے مؤقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں "ایک علمی کتاب" کے ذیلی عنوان سے یہ شذرہ لکھا تھا:-

"اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو۔ ساتھ ہی اس میں کسی طبقے کی دل آزاری بھی نہ کی گئی ہو نہ اس کے بزرگوں کو بُرا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گذری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی

ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے۔ مگر ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ حکومت پاکستان[۱] نے اُسے ضبط کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو، اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانے پر ہی اُسے زیر تنقید لایا جائے اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا بُرد کرنا پڑے گا۔

حکومت پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے جسے بہرحال جمہوری ممالک میں برداشت نہیں کیا جا سکتا"۔

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۴۲ شمارہ نمبر ۲۸۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۵۹ء)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثنا و صفت کی ہے۔ اسی کتاب کی مخالفت میں اور اسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارے کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) آرگن ہے، شد و مد کے ساتھ یکایک مخالفت شروع کر دی اور وہ بھی علمی و تاریخی و تحقیقاتی مسائل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ادارے جمعیۃ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لئے۔ تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ اکتوبر ۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ دار اخبار "طوفانِ جدید" نے ان دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تصنیف و تالیف میں شریک بتا کر وہاں کی مسلم لیگ اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم و عطیات ملتے ہیں بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ اکتوبر ۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۲۱ جلد ۱۱) بحروف جلی یہ لنو بیانی کی گئی

"کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمن و مولانا حفظ الرحمن کا ہاتھ ہے"۔

---

[۱] حکومت پاکستان نے نہیں ایڈمنسٹریٹر کراچی نے جو سرکار پاکستان کتاب ضبط کی تھی۔ جیسا کہ ان تفصیلات سے جو [illegible] ظاہر ہے۔

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے؟" کی ذیلی سرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ :-

"کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی جاسکتی، بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے .... بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دارالعلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ جھلکتا ہے اور جہاں جمہوریت کی تواریخ، اور منشار کا اظہار کیا گیا ہے اور اموی سیاست پر بحث کی گئی ہے، وہاں بطل حریت ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت جھلکتی دکھلائی دیتی ہے ..... (وغیرہ وغیرہ من الهفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگِ بارگاہ حسینیہ" کے الفاظ لکھے ہیں کچھ شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپگنڈہ بمبئی میں کیا جارہا تھا۔ ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کو ہدف ملامت بنانے کے لئے کتاب کی تالیف و تصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ ہے کہ ۲۷ اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی۔

"خلافت معاویہ یزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیت العلماء کا سیکرٹری ہے"[۱]

---

[۱] یوپی جمعیۃ العلماء کے سیکرٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائے کہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہو کر یہ خدمت انجام دینا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیت اور جمعیۃ کے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اس کے متعدد زعماء سے مراسم محبت و یگانگت کے بھی رہے تھے۔ بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد و منشاء و سابقہ وطن امروہہ میں چند سال اس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسے جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے،

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (۱۹ دسمبر ۳۰) میں معطیان دارالعلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے۔

"سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔

"امیر المومنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور منعقد خلیفہ تھے

"غمگساران اہلبیت و جاں نثاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔

"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سنی جمعیۃ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں" وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو جو چندہ بند کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔

بقیہ صفحہ ۱۶: پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ ہم دونوں ان کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے یہ تعلقات محدود نہ تھے اس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی حیثیت مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں کی نظروں میں فرق آتا دیکھ نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ہونے لگے میرے بھانجے کو جو گڑھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے بلوائیوں نے بہ دہشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کے لئے ہجرت کرنا پڑی تھی نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہو گیا بلکہ کانگریس کی عام ممبری تک سے بایں ہمہ مولانا سے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں وطن کے اعتبار سے بھی جدا ہیں۔ اور مسلک کے لحاظ سے بھی ان کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں پر محسوس کرتا ہوں ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

اس بیہودہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم اس نے تو اپنے فاسد مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سیکرٹری بتا کر اور جمعیۃ کو بھی اس شبہ میں ملوث کرنے کے در پے ہے ان کے خلاف مضمون بر بار رہا تھا۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دارومدار
ان حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں
جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس
لا الٰہ قرار دیتے ہیں: جو بغض للّٰہی کا شکار نہیں بلکہ حبِ نبی، حبِ علی اور
حبِ اہلبیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔
ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر رولا تار اور حقائق سے بعید منظر عام پہ
محض اسی لئے پیش کیا جا رہا ہے ...... (الی آخرہ)

یہ بکواس یاوہ گو اخبار نویس کی لائق اعتنا نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات
اور چندہ دہندہ قوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ: سگ بارگاہ حسینیہ کی گرفت میں
اس طرح جب آگئی بچارے بلبلا اٹھے اور کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا
مگر اپنی بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد
فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات: مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے جذبات
و احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں؟ اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ
دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے مسلک اہل سنت کے خلاف ہونے
کی قرار دادیں بھی مشتہر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔
دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاد نے "دیوبند سے ایک عجیب بیان" کے عنوان سے
صدق جدید مورخہ ۱۴ نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب
کی مخالفت میں کر رہے تھے لکھا تھا۔

"کتاب خلافت معاویہ و یزید تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ
حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو چنداں تعجب نہیں ہے مگر
بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب
دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک
اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ میں
نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں
نہ کہ مذہبی مسائل۔ ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات و

حوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل
کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لئے کہ واقعات کا ہمارے
خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت
تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم
بالکل خلاف عقل ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتل حسین رضی کے جرم کا
مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت و نفرت کے لئے
کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ
کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہرحال مجرم ہی سمجھیں گے گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی
مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد
کر دینا عین واجب ہے مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز
نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو مصنف
نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی
ہے۔ کتاب کے ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے
وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرز بیان تو شروع سے آخر تک
مہذب و سنجیدہ ہے کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں
کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا
پھر اسے ضبط کرانے کے کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لئے ضبط
ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجہ
اولیٰ ضبط ہونا چاہیئے جو عقائد و جذبات اہل سنت کے بالکل خلاف ہیں
اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء ثلثہ کی
شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔ اگر یہ کتاب ضبط
ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بڑی نظیر قائم ہو جائے گی
جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت بہت مشکل ہو جائے گی!"

مگر وہاں تو مشکل "مدعی دیگر است" کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو، وہ تو یہ
کہ کسی طرح چندہ بند نہ ہو۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں انہیں اپنے حلوے مانڈے

سے کام۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رکن نے اسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا۔

> دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے کی گئی۔ مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ۔۔۔ نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ممنون احسان ہوئے اور ان سے قریب ہوتے گئے انھوں نے ۔۔۔۔۔ کو جمعیۃ علماء کے لئے گراں قدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لئے ۔۔۔۔۔ نے سفارشیں کیں ان کے لئے بھی آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغاخاں اور ملا طاہر سیف الدین وغیرہ کے معتقدین بہت ہیں ۔۔۔۔۔۔ کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی تاجروں سے تعلقات باقی رکھنے کے لئے آپ کی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے!"

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ دارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جب ذاتی اور دنیوی مفادات کی خاطر بعض علمائے سوء "حرب عقائد" کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

> مگر مرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تر تاریخی ہے اور مورخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور تعصب پرست جماعت نے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے مضامین لکھے گئے۔ جن میں کہا گیا کہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" اس گروہ سے ہے

جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں کے مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگا۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے ان ہی وہابی مقتولین کو شہید[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے بھیس بدل کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مورخہ ۳ ستمبر ۵۹ء) اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک پنڈت جی کی اور دوسرے ہندو ایم، ایل، اے میاں بیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا رزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قرار دادیں منظور کر کے وزیر اعلیٰ و گورنر یوپی کو بھیجی گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اس کی راجدھانی اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲۷ نومبر ۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں، مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ

---

[1] مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے۔

[2] حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کی جماعت مراد ہے۔

کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے۔ نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے
اور نہ جمعیتہ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے
محرک کام میں بہت سرگرم رہے۔ دہلی کے جس مطبع نے یہ کتاب بلااجازت
مصنف طبع کی تھی۔ اسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کیا ہے جو زیر
سماعت ہے۔ بہرحال بھارت ودیش میں کتاب کے ضبط ہوجانے کے بعد بھی
بت پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے
موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ۔
"میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے نہ اس کے تمام مباحث
پر رد و قدح صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی
حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرتا
ہے۔ (ص۱۸)
"شہید کربلا اور یزید" نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کر ڈالی جس کے
سرورق پر جلی حروف میں تحریر ہے کہ۔
"ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لئے عظیم
دعوت فکر"
یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار "طوفان" کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ
"جگر رسنگ بارگاہ صحابہ" تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان و سرپرستان
"دارالعلوم دیوبند وہ لوگ ہیں:-
(۱) جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔
(۲) جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔
(۳) جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الہ قرار دیتے ہیں۔"

لے کوہ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے بغیر ان کو اطلاع
دئے بغیر ہندستانی کتب خانہ بل گنج کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ تجارت
میں اس کے پہلے اڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ بلال الہ آباد کو تحریراً دیدیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ آواز لگائی تھی۔
"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں!"
خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب
صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی اور شہادت عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی جس کے
لفظ لفظ سے اور یکہ و تنہا روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ "حسینیت کی گرویدگی" کے
ساتھ ساتھ یزید کی روسیاہی مٹانے پہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر
و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تاوقتیکہ
تطہیر جس کے ساتھ ہو حسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواج مطہرات کے لئے ہے نہ
آپ کے کسی اور قرابت دار کے لئے وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کرلیں۔
بقول صاحب مصباح الظلم و ایضاح المبہم۔ یعنی (نواب امداد امام پدر رمحی امام)
"امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہوسکتے ہیں جو آپ کو معصوم
اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور
برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں
ہوسکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے۔ پس جناب امام
حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے
کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ
رکھے ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق
ہونے میں کیا انکار ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جناب امام حسینؑ باغی
خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور
باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے
جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے
انکار بھی رکھتے ہیں۔ (ص۱۳۴)"
یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی ان کے مسلک اور عقیدہ کا جزو
ہے۔ انہوں نے تو مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منسوبے
منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے ان کی عمر وفات نبوی

کے وقت صرف پانچ برس کی دکھانا دوسرے ان کے ذاتی کردار اور تیسرے ان کے اخلاق طبیعت کا اظہار جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ "رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارت طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے صفحہ ۱۷۶ پر تحریر ہیں۔

"بہر حال حضرت حسین رضی کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ حضرت حسین رضی کی یہ سعادت کبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں"

عمر کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا حضرت فاطمہ رضی کا نکاح حضرت علی رضی سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔

"انکح رسول اللہ صلعم فاطمۃ علی بن ابی طالب بعد وقعۃ احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ ج صفحہ ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب و ازالۃ الخفاء ج صفحہ ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی غزوہ احد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ احد ۳ھ کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا اس حساب سے حضرت فاطمہ رضی کے فرزند اکبر حضرت حسن کی ولادت ۴ھ کے آخر یا ۵ھ کے شروع ہوئی تو لامحالہ حضرت حسین رضی کی ولادت ۶ھ میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالہ سے حضرت حسن رضی ہی کی ولادت ۶ھ بتائی ہے (المعارف صفحہ ۶۹) تو اس طرح حسین رضی کی ولادت ۷ھ میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسین رضی کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کا جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علی رضی اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا ان کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ رضی ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء سے دس برس چھوٹی تھیں حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہ رضی کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔

والبدایہ والنہایہ ج صفحہ ۳۴۶ والکمال فی اسماء الرجال وتجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ خود حضرت علی رضی کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علی رضی کا یہ قول کامل المبرد و عقد الفرید و شرح نہج البلاغہ میں درج ہے کہ لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا) غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ کے وقت صرف پانچ برس کی عمر تھی مگر روایتوں میں اس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کی بیان کی گئی ہے۔

سن وسال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آگیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی و مولانا عامر عثمانی نے ماہنامہ تجلی دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی چابک دستیوں اور ساختگیوں کے بخیئے اچھی طرح ادھیڑ دیئے ہیں یہاں ان کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح و نقد مقصود نہیں اس کے لئے جدا رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کو بڑھتے بڑھتے بغض معاویہ رضی تک پہونچا دیا ہے۔ شاہ عبد العزیز رح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسن رضی نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی بالفاظ دیگر حضرت معاویہ رضی ان کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رشد خلافت ان کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہ نے توجزم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی کی شہادت کے بعد رشد خلافت یا خلافت خاصہ یعنی منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمان رضی سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو "زمان شر" کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو "زمان خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہ رضی کا استقرار خلافت ہو گیا۔ اور امت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا تو زمانہ خیر

کی برکات پھر عود کر آئیں شاہ صاحب فرماتے ہیں

"بنقل متواتر کہ در شرعیات نقصے معتد نزازان یافتہ نمی شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلعم فتنہ ہا کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع نشانہ ساختہ اند وآنرا بتفصیلے کہ زیادہ ازاں در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع نشود و ملک عضوض پدید آید و ذی عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلفائے ثلثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آں مرتبہ شریک نیست"

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۲۲)

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے خلافت کے لئے اس زمانے میں جو جدال و قتال ہوئے ان کی بنا پر اس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ و عبدالرحمٰن بن عوفؓ و سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مبداء ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم نشود۔ (ج ۱ ص ۱۵۲) وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:-

"انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد ربیعت فی حکم اللہ بثبوت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او سر فرود نیاوردند جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و اختلاف ایشان رخت بعدم کشید۔ (ج ۱ ص ۲۲۱)

پھر ایک اور مقام پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت

حاصل تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ "متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ج ۱ ص ۲۴۹)

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں کہ:-

"در غایت خفی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا امامان قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشان علی وجہ صورت نگیرد بلکہ از میاں ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال برآرد مخذول بلکہ مقتول گردد (ج ۲ ص ۲۸۴)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ ان کی اولاد برخلاف ان کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے انتظامی تدبر و فراست و حلم و کرم سے ملت کی بگڑی حالت سنواری حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

"ثم ان معاویہ تنقص عند عمر یوما فقال دعونا من ذم فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا ینال ما عندہ الا علی الرضی ولا یوخذ ما فوق راسہ الا من تحت قدمیہ"

(ج ۲ ص ۵۳)

ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جوان مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جوان مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔

نجیب صاحب نے رشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے تاریخی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے حضرت علیؓ کو عشرہ مبشرہ

شامل ہیں ہیں، سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں ان سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبد اللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمتَ بأنّی یا مُبغضُ مُبغضٌ — علیًّا فما عذری إذاً فی المحافل
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے — اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

أٰکُلُ من لحمی واشربُ من دمی — کذبتَ لحاک اللّٰہ یا فتر واغل
علیؓ کی برائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیوں۔ — اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علیٌّ وعباسٌ رضؓ یدان کلاھما — یمینٌ سواءٌ فی العُلیٰ والفضائل
علیؓ و عباسؓ دونوں یکساں ہیں — فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں

فھذا ابوھٰذا خمیر ابنُ ذا — فھل بین ھٰذین التباعُد لداخل
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں اور وہ (علیؓ) ان کے بیٹے ہیں[1]۔ — سو ان دونوں کے درمیان تبعید کا کیا دخل

ستسمع مایخزیک فی کل محفل — وتمسح راس العارف المتغافل
سوائے غالب تو جو ہر محفل میں تیری مذمت کرتا ہے — اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے
عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا۔

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ۔

ان اصل الاکاذب فی احادیث الفضائل — فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی

[1] چچا باپ کی مثل ہوتا ہے

کان من جھۃ الشیعۃ فانھم وضعوا فی مبدا الامر احادیث مختلفۃ فی صاحبھم حملھم علی وضعھا عداوۃ خصومھم — ابتداء شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں گھڑ ڈالیں جن کے گھڑنے پر ان کو اس عداوت نے ابھارا جو انکو ان کے دشمنوں سے ہے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۳۸)

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قرآن حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہدیجئے" اور آخر رکوع تک یٰنساء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدہ وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ "اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور اچھی طرح تمہیں پاک کر دے" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہل خانہ (اہلبیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ۔

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ع — اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے وہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا، وہ ہی تو جبرئیل کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو "اہل البیت" کہہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد۔ صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:۔

اہلبیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی "بیت النبی" اور اس

سے مراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے۔ اور یہ بیت نبی صلعم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی پس اس بنا پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے قبل و مابعد کی ہیں نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے۔"

سیاسی غرض کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابتداروں کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کے لئے حدیثیں وضع ہوئیں ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے حضرت حسین رضؓ کو رجس سے پاک ہونے کو ھولاء اہل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری حضرت عباس رضؓ اور ان کی اولاد کیلئے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضؓ کے چادر میں لے کر ھولاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کئے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباس رضؓ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتمل علی العباس و بنیہ بملاءۃ ثم قال یا رب هذا عمی و صنو ابی و هؤلاء اهل بیتی فاسترهم من النار کستری ایاهم بملاءتی هذه فامنت اسکفة الباب وحوائط البیت فقال آمین آمین (صـ)

آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچا جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندان نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولاد علی رضؓ) جن کے بارے میں یہ یکطرفہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں ان کی حاجت بھی تھی کسی دوسری شاخ یعنی عقیلیوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے طلب خلافت اور سیاسیات ملی میں کوئی خاص حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی انہیں ضرورت تھی مفسرین محدثین

نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم و یطہرکم میں ضمیر جمع مذکر آتی ہے اگر صرف ازواج کے لئے ہوتی تو ضمیر مونث آتی مگر یہ قطعًا مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لئے آئے یا تثنیہ کے لئے یا جمع کے لئے یا مونث کے لئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اسی طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ ہی کے لئے آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے اگر فرزند ہونے کی بشارت دی، ان کی زوجہ سارہ یہ سن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں اس پر فرشتوں نے کہا۔

قالوا اتعجبین من امر الله رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت۔

(فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)

اس آیت میں بھی ضمیر وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قرآن شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کے لئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ہارون زبیدہ کے بیٹے کے بعد ایک عرب شاعر نے سیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا ؎

یا اهل بیت خلیفة الغنی یا لله انتم زبدة النون

غرضکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور رجس سے پاکی کا وعدہ ان ہی امہات المومنین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے نسبی قرابتدار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے، رجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ طیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لے جانا مفتی محمد عبدہ و علامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ومصادر هذه الروایات الشیعة ومقصدهم منها معروف وقد

ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے

اجتہدوا فی ترویجہا ما استطاعوا حتی راجت علی کثیر من اہل السنۃ ولکن واضعیہا لم یحسنوا تطبیقہا علی الآیۃ فان کلمۃ نساءنا لا یقولہا العربی ویرید ہا بنتہ لاسیما کان لہ ازواج ولا یفہم ہذا من لغتہم والبعد من ذالک ان یراد بانفسنا علی ثم ان وفد نجران الذین قالوا ان الآیۃ نزلت فیہم لم یکن معہم نساءہم واولادہم

ان روایتوں کی اشاعت کرنے میں بہت کچھ جد وجہد حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان روایتوں کے وضع کرنے والوں نے اس آیت پر ان کی تطبیق عمدگی کے ساتھ نہیں کی کیونکہ کوئی عرب نساءنا کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان پر اس طور سے نہیں لا سکتا کہ مراد اس کی اس لفظ سے بیٹی ہو بصورتیکہ مرد عرب اس عرب کے ازواج بھی موجود ہوں اور نہ ان کی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علیؓ کی ذات سے لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی نہ ان کی بیویاں تھیں اور ان کے بیٹے اور اولاد۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کے شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ بلا لینے پورے ہو سکتے ہیں اگر شرائط بھی پوری ہوئیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت لفظ "نساء" اور "ابن" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا جیسا مفتی محمد عبدہ و علامہ رشید رضا نے فرمایا ہے "نساء" کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کر سکتا اور "ابن" کا لفظ نواسہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ ادعوھم لآبائکم ھو اقسط عند اللہ "فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کے لئے ہے اور بیٹی کے بیٹوں کے لئے "سبط" عرب ہی کا قول ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا بنوھن ابناء الرجال الاباعد

غیب صحیح کہ شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا

بقیہ حاشیہ ...

ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہو گئی تھیں نظر ثانی میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ال ال بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنی ہیں ان ہی کی نیک دلی اور حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈلوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈوکیٹ کی نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق شکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محب قوم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدر دان سے بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (سجادہ نشین پوررال ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔ اور اسی طرح مکرمی شبنم صاحب مین کی اعانت و توجہات کا۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ال ال بی کے عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز ان کے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خود ستائی کے مرادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب و شتم کے موضوعات کا پردہ چاک کرنے کی جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

۲۱ دسمبر ۱۹۶۰ء
کاشانۂ محمود - لالوکھیت
کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

طبع دوئم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اس وقت ناشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دو ڈھائی مہینے کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی۔ حتیٰ کہ بعض شائقین ٹیلیگرام بھیجکر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے، جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ [illegible] کے موجود دور میں روایت پرستی توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت حال کا انکشاف ہونے کا ملت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لیے بھیجے گئے تھے ان پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں "ماہنامہ تجلی" کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جاسکتی ہے فاضل مصنف جناب محمود احمد عباسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد "خلافت معاویہ و یزید" کے بارے میں وہ فرید و جدید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا

ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔

"لامتناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے مضبوط دلائل پیش کیے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذبات کی گرد میں اَٹی ہوئی "تاریخ کربلا" کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء

"حاصل تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آئے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو خیالی تصورات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو ان کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامن کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ و افترا کی گرد سے پاک صاف دکھاتی ہیں اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو وقیع معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچا لے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ وللہ در المصنف"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل

بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان قلم سے کبھی نہ کبھی دہرایا جاتا ہے اور اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سنی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپؐ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیۂ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی، ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (۹) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا، چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)"

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں، انہوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ گویا اللہ تعالے نے جس ذات گرامی کو کرام بررۃ (عبس) میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ میں) اور جن کے لئے حتماً فرمایا: وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ (ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے (حدید ۱۰)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں دعا فرمائی "کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور ان پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ وحسینؓ اور دوسرے اکابر بنی ہاشم، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم نے جن سے بیعت کی وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم اور مبتدع تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول اور جمہور امت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر

دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے سیدنا عبداللہ بن عمر سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت وامامت کی تائید و توثیق کی، صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کر لیا ہوتا کہ فرانس امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہو سکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہو سکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علی مرتضیٰ تک خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر برسر آرائے خلافت ہوئے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی، لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المؤمنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ اب اگر دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی طرح آپ بھی موت کے منہ اور جنگل سے نکل آتے اور زندہ رہتے تو کیا حضرت فاروق اعظمؓ سے ولایت کا یہ عہدہ چھین لیا جاتا؟

اب دیکھنا چاہئے کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امیر یزید کو ولی عہد

مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے پھر اس مشورہ کو جب آپ نے من وجوہ قبول فرمالیا تو دوبارہ اسے عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہل مدینہ ارباب حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیر المومنین یزیدؒ کا تقرر صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار دیا جائے محض اس لئے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب ہے کہ "الحمد" سے لے کر "والناس" تک اور مؤطا سے لے کر ابن ماجہ تک وہ کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ثابت کیا جاسکے۔

پھر یہ آیت مبارکہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)

اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقعہ بے موقعہ پیش کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں انجینئر سے، آب پاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے صحت عامہ کے بارے میں کمانڈر فوج سے اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر امرھم شوریٰ بینھم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس وناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل وعقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا اور انہیں کی بات سنی اور مانی جائیگی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جا سکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب [illegible]ع ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر وانصار اصحابؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان ومال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم

خدا اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوت محمدیہ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انہی پر کھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رشد وہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے دروغ گو، باطل پرست، ہوا وہوس کے بندے اور ناقابل اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے بے وجہ صلحا کی عزت وحرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا وآخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی کنہ وحقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ بعض امیتوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ امت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہوجاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس امت کو عطا فرمایا ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ کی دعوت متحرک وفعال اور ترقی کناں دعوت ہے اور آپ کی امت قید زمانی ومکانی سے آزاد ہے نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے، اس لئے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری ووابستگی کی مکلف ہے اور نہ کسی ذات سے۔ اسے چند لچک دار، موزوں اور اصیل اصول عطا ہوئے ہیں جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے جس عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عند اللہ والناس مقبول ہوگا بشرطیکہ تقاضائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں (۱) اقامت صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کے حکم اور بری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ	(ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن

اَلْاُمُوْرِ (الحج ۴۱) کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے)

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب کو آزمالیا۔ مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے بھردیئے اور ان کا طرز عمل ہمیشہ کے لئے امت کے واسطے مشعل راہ بنا دیا۔

یہ ہے امت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امت کی تشکیل کی اس کے اولین علم برداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کردی ہیں اور سب کے سامنے تجربہ کرکے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلاف اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیئے، آئینی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین وانصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہوجایئں وہی حق وصواب ہے۔

اولٰئک ھم الرٰشدون

اور سب کا ایمان ظنی واعتباری ہے صرف قوی آثار سے اسے مؤمن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواج مطہرات، مہاجرین وانصار یا خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحین ہند قاتلین مرتدین، مقاتلین روم وشام وفارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیر المومنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ "میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں" کذب محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اس کے اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی "عن شیخ من المدینۃ"

(ص ۱۳۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرام کا دور تھا امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے بعد اگرچہ اموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب کے سب تابعی ہیں اور امیر المومنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں امراء عساکر میں قضاۃ میں، ارباب شوریٰ میں اور اصحاب تبلیغ واشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرام نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔

چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفر ونفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کرکے غیظ وغضب سے بھر جاتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ہوگیا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان کے سبب کافروں میں غیظ وغضب پیدا کر دے (سورۂ فتح)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا ایسے ہی
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَ	یقیناً ان کے لئے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو
نَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا	اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ	ہر خوف کے بعد انھیں امن عطا فرمائے گا
بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ	وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی
الْفٰسِقُوْنَ۔	منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔

(نور: ۵۵)

اس آیت نے فیصلہ کردیا کہ خدائے تعالےٰ نے تکوینی طور پر صلحائے امت ہی کو حکومت عطا فرمائی، اور ان کے تحت جو نظام بپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے ان کی ہر مصیبت کے بعد اس نے انھیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انھیں قابو دیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے باوجود دین حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنھوں نے اس الٰہی وعدے کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بد راہ ہیں۔ اس لیے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علم تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرداز

ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سنت کے مقرر کردہ آداب کی پابندی کریں۔ دشمنانِ دعوت کی مفتریات طبیعات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل و تقویٰ و تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ متضاد روایات سے قطع نظر کر کے صرف واقعات کا احصا کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتاً یا پھر جہاں جہاں درایت کی جھلک ہے اس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشا روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی وسیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قرآن مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا اور واقعات بھی جو اخلاف کے لئے موجب عبرت ہوں تاکہ حق کے ساتھ بزرگان پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مورخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا ہی چاہیے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ؕ

(یوسف ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کے لئے موجب عبرت ہے یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق مبرہن محسوس واقعات سے ہوا ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ و تابعین تھے جنھوں نے اپنی مرضی سے، اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت خلافت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا ذکر اوپر ہوا کہتے ہیں کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اول الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ ان صاحب نے صریحاً

واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور امت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکت اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب رائیں امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور نہ بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامہ کا کوئی قابل ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ (۱۵) بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے گیارہ بھائیوں نے اقدام خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح ان کا ساتھ نہ دیا۔ صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ان صاحب کی یہ سوءِ ظنی حد درجہ قابلِ ملامت ہے کہ ان صحابہ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و کراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعت خلافت کی۔ سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مورخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہ و تابعین کے طرزِ عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہد اموی کے واقعات اور سیرت معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افترا، پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے ؎

بری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے — تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افترا و تلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا

جی چاہتا ہے کہ آخری مصرعہ میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کر دے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایۂ زور اُمت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی اُنہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وصحبہ وخلفائہ اجمعین

محمود احمد عباسی
۲۰ جولائی ۱۹۵۹ء

کاشانۂ محمود
لالوکھیت بی ایریا
کراچی

۷۸۶

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

اموی خلافت اپنے وقت (۴۰ — ۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور امت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گذرا، ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمرہ نہ کہا جا سکے ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز و موجب صد افتخار رہے گا۔ خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابہ کرام کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاء سے لے کر ادنیٰ امراء تک کو کہ جن میں متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے۔ فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے استنارت پرہدایت حریص تھی اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ پر ہی سب کا مدار تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکا۔ اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب، حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مؤلفین نے جو کچھ تھا مذہبیت کے عنوان سے لکھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلمبند کرنے میں نہ صرف بخل و تعصب

سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بناء پر اس درجہ مسخ کرکے پیش کیا کہ دسے خوئے۔

ءنس ئ علہ جیسے آزاد وبے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ تہمت تراشی وافترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے۔ بنی امیہ سے منسوب کیا گیا، ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لئے یہ مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے انہیں نیست نابود کر دیا جائے اُن عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔ کذب بیانیوں کی یہی حالت الا ماشا اللہ برابر قائم رہی صدیوں پہ صدیاں گزرتی گئیں۔ ناموسے نامور مورخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کرکے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر بقول دسے خوئے "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے نہیں کی خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق و مبالغات کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ

ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ماسقتہ (ص۲۱۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

ءٰ مقالہ بعنوان خلافت (خلفاء)، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن۔

البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور داہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں :-

وَخَلَطَهَا الْمُتَطَفِّلُوْنَ بِدَسَائِسَ مِنَ الْبَاطِلِ وَهِمُوْا فِيْهَا وَابْتَدَعُوْهَا وَزَخَارِفَ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْمُضْعَفَةِ نَفَّقُوْهَا وَوَضَعُوْهَا (الی آخرہ)	اور نا اہل وخود ساختہ مورخین نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے غلط ملط کر دیا، لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں ادھر ادھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔

(مقدمہ علامہ ابن خلدون طبع مصر)

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کرکے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے اڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچسو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مورخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے، اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن

بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب وتدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیّہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خاں (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریریں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

"مصر و شمالی افریقہ میں، تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق کا "ہند" تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتاً خاندان بنی امیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہین منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کن عباسی فتح نے

۱؎ پیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ امید" مولفہ محمد اے حارث۔

۲؎ راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں "انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ" کے تحت بتایا ہے کہ مضر و ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صدیث حالات

اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیئے تاکہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی چار صدیوں سے۔"

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان "اسلامی ملکوں کی تاریخ ان کا عروج وزوال و مستقبل کی توقعات" فروری ۱۹۵۱ء میں کی تھی اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی اُمیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا۔

"یقین جانیئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہیئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔"

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اقتصادی فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے، لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح و ضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں" پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ

بقیہ ص ۴۸ کا   نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

طور پر سے بنوامیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔

ان الفاظ کی اہمیت در قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور امام حاضر کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی زعمائے وقت مگمان کی تجویز در بارہ احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے جس کی داغ بیل سرسید علیہ الرحمتہ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائیس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تر و تازگی کے لئے پہلی صدی ہجری کے عہد بنوامیہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اس عہد کی سچی تاریخ مرتب مدون کرنے کی ہے جو کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمہ تن مصروف تھی محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہٗ بابائے اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پہ مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق جدید" نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ "آپ کے ہاں "الحسین پر" تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع نافع بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے"

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ

تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے غرضیکہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اموی عہد کے حالات جن پہ کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔ حالات نا مساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کے لئے ترتیب از سر نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اموی کے حالات کو اجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کی بنا پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت و الفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سب و شتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بین طور سے انکشاف ہو گیا ختم کر دیا جائے اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسمٰعیلیہ کی تازہ ترین مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہہ دیا کہ خلیفۂ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا حضرت علی خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا جب انھوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں[۱]

اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو کہ

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانۂ محمود
لالو کھیت دبی ایریا، کراچی

محمود احمد عباسی

---

[۱] فرمان سر آغا خان بعنوان، "اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفا" بحوالہ اسلامک ریویو، کرنگ "دی گریٹ امید"، مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس۔ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اموی خلافت کا پس منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم وکریم خلیفہ راشد کو بحالت تلاوت قرآن مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھے رہیں یا اپنی جاگیر ینبع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

فانك واللہ لئن نهضت مع هولاء اليوم ليحملنك الناس دم عثمان غداً۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۰)

واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ بیعت خلافت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خونِ عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (فانی علیؓ) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفۂ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی (اشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے اوّل بیعت کی تھی (ان اول من بایعه الاشتر (ایضاً ص ۱۵۲)) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب

تھا۔ اور نہ قصاص لئے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی عبداللہ بن سبا بایعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز ہے۔ اکابر صحابہ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی۔ بیعت کرنے سے گریز کیا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حِب رسول اللہ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابو سعید الخدریؓ، محمد بن مسلمہؓ نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ، صہیب رومیؓ، سلمہ بن وقشؓ، قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملت وارباب حل وعقد نے بیعت نہیں کی (طبری ومحاضرات الخضری) حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتران پر حملہ آور ہوا تھا حضرت سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دربسیارے از احادیث متواترہ مرد یہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت برحضرت مرتضیٰ جمع نہ شود (ج ۲ ص ۲۷۵)، طالبین قصاص حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وحضرت ام المومنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہادِ ونصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹)

خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ اہل حل وعقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب وبیعت خلافت میں سبائی گروہ وقاتلین عثمانؓ کی دراندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فان کثیرا من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم

پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملت) نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے

ببا یعوہ ولم یبا یعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

ان کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبد اللہ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے اصحاب نے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے طلب بیعت پر تو اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کردینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو، وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہوکر مکہ چلے گئے مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ ان کی سوتیلی ماں ام کلثوم بنت علیؓ۔ بیوہ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں اس پر ان کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے امت میں جو انتشار پیدا ہوگیا تھا تمام عالم اسلامی میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورت حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدث دہلویؒ نے طالبین قصاص کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است براخذ قصاص ذی النورینؓ واخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است وحضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمان) ذی النورینؓ کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی۔ اتحاد و اتفاق تھا۔ کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہوکر مسلمانوں کے زیر تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملت ان کی

بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی، آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

فان الثلاثۃ اجتمعت الامۃ علیھم فحصل بھم مقصود الامامۃ وقوتل بھم الکفار وفتحت بھم الامصار وخلافۃ علی لم یقاتل فیھا کافر ولا فتح مصر وانما کان السیف بین اھل القبلۃ۔
(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۲۵)

تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) نے پوری امت کو اپنی (خلافت) پر مجتمع کرلیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہوگیا تھا۔ (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہوجانے کی وجہ سے) انھوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ ہی میں چلتی رہی۔

دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔
(ازالۃ الخفاء ص ۲۷۲ سطر ۲۰)

علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادتِ عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں نہ باغراض اسلام۔

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دی خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں یہ لکھتے ہوئے کہ "بلوائیوں کے جم غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کی بیعت کے لئے مجبور کیا" کہا ہے کہ:۔

حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو خلیفہ شہید کی جانشینی کا استحقاق واقعۃً حاصل نہ تھا علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے

(طلب خلافت) ہیں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار و حب جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لئے معاندِ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے علیؓ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۵ ص ۲)
غرضکہ شہادتِ عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہو گیا محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ شواہد شد۔
(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس اور کہیں ان کی حکومت باقی نہ رہی۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت مرتضیٰ با وجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و بر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند
(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۴۹)

حضرت مرتضیٰؓ باوجودیکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخر ایام میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس ان کی حکومت کا ٹھکانا نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنان اسلام نے اس حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

لم یظہر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اہلہ وطمع فیہم عدوہم من الکفار

یعنی، ان کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ)

والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۱)

کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو (مسلمانوں کے) دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی۔

سبائیوں کا مقصودِ اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے، مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السودا بھی کہتے ہیں بذاتِ خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتل عثمان کا سارا پلان اسی نے بنایا تھا۔ طالبین قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سن کر حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابنِ سبا اور اس کی پارٹی ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہ نے اس اقدام کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا :-

لا تخرج منہا (اے مدینۃ الرسول)
فواللہ لئن خرجت منہا لا ترجع الیہا
ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابدا
فسبوہ فقال دعوا الرجل فنعم الرجل
من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وسار حتی انتہی الی الربذۃ
(ص ۱۷۱ ج ۵ طبری)

(اے علیؓ تم (مدینہ رسولؐ کو) چھوڑ کر مت جاؤ، خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا (ان صحابیؓ کی اس پر سبائیوں نے) ان کو سب و شتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے کہا) ان کو چھوڑ دو الگ رہو یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقام ربذہ میں پہنچ گئے۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقر خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اس وقت تو وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ بعد میں اسی مقام ربذہ میں آ کر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا کوئی مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آ جائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کر لیں اپنی بیعت نہ لیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخاب خلیفہ کا حق اہل مدینہ کا ہے (فان الامر اہل المدینۃ

طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی موقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعت خلافت ہو چکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سدباب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں میں ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے۔ ظلم و تعدی سے ان کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرا کریں اور ہمارے ساتھ ہو کر قصاص لیں۔ نظامِ خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا۔

وان ترکتم (اعنی قصاص) لم یقم لکم سلطان ولم یکن لکم نظام۔	اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔

(ص۱۵۶ ج۵ طبری و ص۲۱۳ جمہرۃ الخطب)

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں۔ اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہ کی مساعی سے طالبینِ قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے (الا ولا یرتحلن غدا احد اعان علی عثمان رضی اللہ عنہ ص۱۹۴ ج۵ طبری) یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص الخبیث الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرا دی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کے لئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج۵ ص۲۰۲) لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی

ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں۔ ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دور بین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے صفین کے میدان میں وہ ان کے کیمپ میں موجود رہے انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدانِ جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مورخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے

وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔	اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔

(عمدۃ الطالب ص۱۵ مطبع لکھنؤ)

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب واقعۃ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بیعۃ اھل البصرۃ علیا وقسمہ ما فی بیت المال فیہ" لکھا ہے کہ ساٹھ لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کر دی گئی۔ ہر ایک کے حصے میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ:-

لکم ان اظفرکم اللہ عزوجل بالشام مثلھا۔	اگر خدائے عزوجل اہل شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں اور ملے گا۔

الاشتر وغیرہ تقریر کر کے لوگوں کو اہل شام کے مقابلے میں جنگ کی ترغیب و تحریص کر رہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

اُتریدون ان تسیربنا الی اخواننا من اہل الشام نقتلھم کلا کما سرتبنا الی اخواننا من اہل البصرۃ نقتلھم کلا واللہ اذا لا نفعل ذالک۔

کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور انہیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے نہیں واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔

الاشتر نے یہ سن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر۔ وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے اس پر فرمایا قتیل عمیۃ لا یدری من قتلہ و دیتہ من بیت المال المسلمین یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے۔ معلوم نہیں قاتل کون ہے اسکی دیت بیت المال المسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مورخین نے زید بن عتابہ تیمی کا یہ مضحک خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا۔ اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

وکان زید المذکور لما عظم البلاء بصفین قد انہزم ولحق بالکوفۃ فلما قدم زید علی اہلہ قالت لہ بنتہ این خمس المائۃ؟

زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آگیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔

(حاشیہ ۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کہ کون پارٹی فتحمند ہو اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانچسو پانچسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں

تو انہوں نے ان عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

یا اہل العراق لما ذا نزلتم بعجاج من الارض؟
لا خمس الا جندل احرین
والخمس قد یحمل الامرین
جمزا الی الکوفہ من قنسرین
(حاشیہ ۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ)

اہل عراق! تم اس زمین میں ایسے چھچھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ۔ تمہارے لئے سوائے پتھروں کے وہ پانسو نہیں ہو سکتے تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔

یہ موقع جنگ جمل و صفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے سبائی پارٹی کی مجرمانہ کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لئے صورت حال حد درجہ مسخ کر کے پیش کی ہے اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ ان خطبوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو انہوں نے اپنے نام نہاد پیروؤں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ جمل اور صفین کے موقعوں پر باہم گفت و شنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہو گئی تھی وہ محض غیر جانبدار عناصر کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملت اسلام کی بہتری مقصود تھی۔ اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعی جمیلہ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا اور دشمنان اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سب و شتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خون عثمانؓ کے مسئلے میں تھا۔ ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیرو ہیں اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شامل کتاب کیا ہے جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے:۔

من کتاب لہ علیہ السلام الی الامصار یقتص فیہ ما جری

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب علی علیہ السلام کا جو تمام شہروں کے اہالیان کو بھیجا گیا

بینہ و بین اھل صفین وکان بداء امرنا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر اَنَّ ربّنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحدٌ الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء"

(ص۱۷۹ الجزء الثانی نہج البلاغۃ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ بمصر)

جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان پیش آیا۔

ہمارے معاملے میں ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ خانہ جنگی جاری رہے کیونکہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا سیاست ملیہ پر ایک لمحہ کے لیے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ سے جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور ان میں سے بعض کو عہدے بھی دیئے دیئے تھے جس سے انھوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے وہ تاسف

سے فرماتے تھے۔

لو علمت ان الامر یکون ھٰکذا ما خرجت اذھب یا موسٰی فاحکم ولو بحز عنقی۔

اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خروج نہ کرتا اے ابو موسیٰ! تو تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

(ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۸۳ طبع اول)

ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اربابِ حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخابِ خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں الجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگِ نہروان میں حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے ان کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ تو امت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ اور تاریخی واقعات کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ بہرحال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وصیت

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں آیہ شریفہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاق امت کی ضرورت پر متوجہ کیا (ص۳۲۷ ج۷ البدایہ والنہایہ ص۸۵ ج۶ طبری)، اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا ان کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیونکہ ان کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشارِ امت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (ص۱۳ ج۸ البدایہ النہایہ)۔ حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعت میں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی پارٹی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ بھی اتنی بے دل

اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا۔ تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا۔ اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے ان کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وکان علیؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسكريين ولم تكن اعوانه يوافقونه على ما يأمر به - واعوان معاويةؓ يوافقونه

(ص۲۰۲ ج۲ منہاج السنۃ)

اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی ظالموں کے قہر سے عاجز تھے ان کے اعوان و انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف ان کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے۔

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ میں کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابۂ کرام کی کثیر تعداد بقید حیات تھی لیکن امت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمنِ اسلام قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجۂ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے مفاہمت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی کہ ان کے امیر المومنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:

وان علياً ابي كان يقول لا تكرهوا امارة معاوية فانكم لو فارقتموه لرأيتم الرؤس تندر عن كواهلها كالحنظل۔

(جلد ۳ ص۲۰ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۹۳ والبدایہ والنہایہ ص۱۳۱ ج۸)

اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیر المومنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا کیونکہ تم نے اگر ان کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر کٹ کٹ کر گریں گے۔

امامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے۔ جو انہوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔

ان ابي كان يحدثني ان معاوية سيلي الامر، فوالله لو سرنا اليه بالجبال والشجر ما شككت انه سيظهر ان الله لا معقب لحكمه ولا راد لقضائه

(ص۱۴۲ ج۱ طبع اولیٰ ۱۹۳۶ء)

اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی ان بدبختوں نے نواسہ رسولؐ پر بھی حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کرتے یہ کہا ہے کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔

اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ و غضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت

نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعت خلافت

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجر بن عدی نے پہلے تو حضرت حسن بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے، اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کر دوں گا۔[1] مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔ معاہدہ ہو گیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسين، انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا۔

پس حسینؓ نے کہا، ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(اخبار الطوال للدینوری ص۲۳۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا۔

اسکت فانا اعلم بالامر منك۔

تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ (طبری ج۶ ص۹۲)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف "علیؓ وبنوہ" میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:۔

---

[1] ان لوگوں کا شعار تھا کہ اوّل تو بڑھ بڑھ کر باتیں کریں پھر وقت پر دغا دیں۔

ان الحسين بن علیؓ لم يكن يرى رأى اخيه ولا يقره ميله الى السلم وانه الحّ على اخيه في ان يتمسك ويمضى في الحرب ولكن اخاه امتنع وانذره ان يضعه في الحديد ان لم يطعه (صفحہ ۲۰۲)

حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح دامن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے کو زور دیا۔ لیکن ان کے بھائی نے منع کیا۔ اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی

بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعہ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو۔ یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو یعنی

فاختاروا الدخول فی طاعة معاويه

لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت و بیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔

(اخبار الطوال ص۲۳۰)

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے حضرت حسنؓ سے گفتگو کی۔ یہ "السلام علیک یا مذل المومنین" کہہ کر سلام کیا حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "وعلیک السلام" "بیٹھو! میں مذل المومنین نہیں بلکہ معزّ تہم ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال و جدال کو دفع کیا۔ واللہ اگر ہم پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے تب بھی کوئی قوت خلافت و امارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (اخبار الطوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب ان کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:

«ابو محمد (حسنؓ کی کنیت) نے سچ کہا۔ تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں۔»

(اخبار الطوال)

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:۔

لیکن کل رجل منکم حلساً من احلاس بیتہ ما دام معاویۃ حیا فانہا بیعۃ کنت واللہ لہا کارھا فان ھلک معاویہ نظرنا ونظرتم ورأینا ورأیتم

(ص۱۴۲)

لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی ہے پس اگر معاویہؓ وفات پا گئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری و بکراہت کی تھی۔ حصول خلافت و حکومت کے لئے موقع مناسب کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کو لامحالہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابومخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنا ان کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا۔ میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعتہ کرھا) اسی کے ساتھ بقول ابومخنف انہوں نے شیعان کوفہ سے کہا:۔

والان کان صلحا وکانت بیعۃ ولتنتظر ما دام ھذا

اب اس وقت کو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ)

الرجل حیا فاذا مات نظرنا ونظرتم

زندہ ہے انتظار کرو جب مر جائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

(مقتل ابی مخنف ص۱۰ مطبوعہ نجف)

حضرت معاویہ کا سلوک

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرات حسن وحسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا تھا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلاناغہ امیر المؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں ان کے پاس رہتے۔

فلما استقرت الخلافۃ لمعاویۃ کان الحسین یتردد الیہ مع اخیہ الحسن فیکرمھما معاویۃ اکراما زائدا ویقول لہما مرحبا واھلا ویعطیھما عطاء جزیلا وقد اطلق لہما فی یوم واحد مائتی الف۔

جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہو گئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت ہی عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے ایک ہی دن میں ان کو بیس لاکھ درہم عطا کئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف وعطیات کا ذکر کیا ہے جو امیر المؤمنین معاویہؓ حضرت حسن وحسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:۔

قدم الحسن بن علی علی معاویہ فقال لہ: لاجیزنك بجائزۃ لم یجزھا احد کان قبلی فاعطاہ اربعمائۃ

حسن بن علیؓ (ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق) آئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے

الف الف ووفدا لیہ مرۃ الحسن والحسین فلجاز ھما علی الفور بمائتی الف الف.

(ص۱۳۷ ج البدایہ والنہایۃ)

قبل کسی نے بھی نہ دیا ہوگا چنانچہ انہوں نے چالیس لاکھ کی رقم ان کو دی پھر ایک دفعہ حسن وحسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان حضرات کو انہوں نے فی الفور بیس لاکھ دیئے

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ وحسینؓ ودیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المومنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے :-

ومعاویۃ اوّل رجل فی الارض وھب الف الف وابنہ (یزید) اوّل من ضاعف ذالک کان یجیز الحسن والحسین ابن علی فی کل عام لکل واحد منھما بالف الف درھم وکذالک کان یجیز عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن جعفر۔

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند (یزیدؒ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دوگنا کیا اور یہ عطیات (حضرت) علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسن وحسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے عطا ہوتے اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

(ج ص۲۳۳ شرح ابن ابی الحدید)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المومنین معاویہؓ

---

[۱] یہ وظائف وعطیات یا تو خمس اور فے میں سے ہوتے تھے۔ یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا بعض اوقات خلفاء خود اپنے ذاتی حصے میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے ۱ من نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گرانبہا عطیات دیکر ان کے ہاشموں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔

کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ

جب حسنؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

(ج۸ ص۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

وکان (معاویۃ) یبعث الیہ (الحسین) فی کل سنۃ الف الف دینار سوی الھدایا من کل صنف۔

اور (معاویہ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

(مقتل ابی مخنف ص۸)

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔

فان کنت تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم علینا فقد وطّنّا انفسنا علی الموت معک۔ (اخبار الطوال ص۲۲۳)

پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آ جاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر ان کا وقت آگیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

فان یحدث اللہ بہ حدثا

پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ

وانا ھی کتبت الیکم برائی
(اخبار الطوال ص۲۳۵)

پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے تحریراً مطلع کروں گا۔

جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت

مجوسی و ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی امام اوّل و خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ و حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ و سیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر امرار کو جہادِ شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا انھوں نے خلافت فاروقیؓ اور خلافت عثمانیؓ میں رومیوں کو برّی و بحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی شجاعان عرب ملک شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

ان العرب منذ فتحو الشام
نکۃ والی فتح القسطنطنیۃ
لانہا کانت لذلک العہد
عاصمۃ النصرانیۃ وکان الاسلام
لو فتحہا غلب علی شمالی اوروپۃ
بلا نزاع

(ص۱۲۴ حاضر العالم الاسلامی تالیف پروفیسر لوتروپ ستودار ومع تعلیقات امیر شکیب ارسلان)

ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف انہوں نے شروع کی تھیں۔ سنہ ۴۱ھ میں زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال کی متواتر جدوجہد سے انھوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ سنہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے برّی اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ برّی فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب "ما قیل فی قتال الروم" (یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے) اس کی یہ حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اوّل جیش من امتی یغزون
مدینۃ قیصر مغفور لہم

(صحیح البخاری جلد۱ ص۴۱۰
مطبوعہ اصح المطابع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

کان اوّل من غزا مدینۃ
قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ
جماعۃ من سادات الصحابۃ
کابن عمر وابن عباس

مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اوّل جہاد یزید بن معاویہؒ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمرؓ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ

وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری (رضی اللہ عنھم)   اور ایک جماعت تھی۔

حاشیہ ص۴۱ جلد ۱ صحیح بخاری
مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۶ھ)

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے ساتھ ہی محدث المہلبؒ کا یہ قول ہے۔

قال المهلب في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر

حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص۴۱

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی بحری و بری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت ام حرامؓ زوجہ حضرت عبادہؓ بن الصامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرت معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہادِ قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا

میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہوگی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص۴۱)

علامہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ای

وجبت لهم به الجنة" (فتح الباری شرح بخاری) یعنی ان (سب غازیوں) کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واول جيش غزاها (اى قسطنطنية) كان اميرهم يزيد والجيش عدد معين لا مطلق وشمول المغفرة لاحاد هذا الجيش اقوى ويقال ان يزيد انما غزا القسطنطنية لاجل هذا الحديث

اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(ص۲۴۵ ج۲ منہاج السنۃ)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ام حرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ عرض کیا "یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں" آپ نے فرمایا کہ تم ان میں شامل ہوگی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں وہیں فوت ہوئیں۔ لیکن دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سن کر جب یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا (تم ان میں نہیں ہوگی)۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذكرنا هذا مقرراً في دلائل النبوة۔

(ص۱۵۱ ج۸ : البدایہ والنہایہ)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کے غازیوں کے لئے وجوب جنت (مغفرت) کی پیش گوئی لسان نبوی سے ہوئی (کتاب الجہاد صحیح بخاری کتاب

الامارۃ صحیح مسلم)

پہلا اسلامی جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔

امیر یزیدؒ کی اس فوج میں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابہ کرام یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ (میزبانِ رسولؐ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت حسین رضؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اس فوج میں موجود ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ وکان فی الجیش الذین غزو القسطنطنیۃ مع ابن معاویۃ یزید۔
والبدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱

حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے وہ (حسینؓ) اس فوج میں شامل تھے جس نے (امیر) معاویہ رضؓ کے فرزند یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

شیعی مورخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی "تاریخ عرب" ہسٹری آف سیراسینز ص۸۴ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہادِ قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔

مورخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابنِ عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسین علی معاویۃ وغزا القسطنطنیۃ مع یزید (یعنی حسین رضؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے) ص۱ ج ۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیثِ نبویؐ کی بشارتِ مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا آپ نے امیر عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جا سکو لے جا کر

دفن کرنا۔

ص۵۹ ج البدایہ والنہایہ)

مسلمانوں کو میرا سلام پہنچانا اور یہ حدیث سنا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

من مات ولا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ

یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرتا تھا اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی "میزبانِ رسولؐ" کے جنازہ کی پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے۔

وکان (ابو ایوب انصاری) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ

(اور ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انھی یزیدؒ کو کی تھی (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(البدایہ والنہایہ: ج ۸ ص۵۸)

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبانِ رسولؐ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:۔

"ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

(ج ۱۳ ص۱۶)

ایک دوسرا شیعی مورخ (مولف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے

ہوئے کہ ”چوں ابو ایوبؓ درگذشت یزید سوار شد و جیش با او سوار شد و نعش او را مشایعت نمودند“ وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا اهل القسطنطنیه هذا رجل من اکابر اصحاب محمدؐ نبینا وقد دفناه حیث ترون والله لئن تعرضتم له لاهدمن کل کنیسة فی الارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب (ناسخ التواریخ کتاب دوم ص [illegible])

اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبیؐ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے قسم بخدا اگر ان کی قبر کو کسی کا ضرر پہونچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب ”حاضر العالم الاسلامی“ کے تعلیقات زیر عنوان ”محاصرات العرب القسطنطنیہ“ میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:۔

ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاه یزید بن معاویة یعوده فقال: حاجتک قال: نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض العدو ما وجدت مساغا فاذا لم تجد مساغا فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب به ثم سار به فی ارض العدو ما وجد مساغا ثم دفنه ثم رجع

جب (حضرت) ابو ایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزید بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمائیے انھوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے (امیر یزیدؒ) ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں

ان ابو ایوبؓ قال لیزید بن معاویه حین دخل علیه اقرئ الناس منی السلام وساحدثکم بحدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من مات لا یشرک بالله شیئا دخل الجنة فحدث یزید الناس بما قال ابو ایوبؓ وتوفی ابو ایوبؓ عام غزا یزید بن معاویة القسطنطنیة فی خلافة ابیه سنه ۵۲ صلی علیه یزید بن معاویه وقبره باصل حصن القسطنطنیة بارض الروم ان الروم یتعاهدون قبره ویزورونه ویستسقون به اذا قحطوا۔

(ص ۲۱۵ بحوالہ طبقات ابن سعد)

گئے جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے (حضرت) ابو ایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مر جاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔

اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”جو شخص اس حالت میں فوت کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا“ پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو (حضرت) ابو ایوبؓ نے فرمائیں ان کی وفات اس سال ۵۲ھ میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزیدؒ بن معاویہؓ ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی ان کی قبر پر جا کر عہد کرتے ان کی زیارت کرتے اور زمانہ قحط میں ان کے وسیلہ سے بارش کی

دعائیں مانگتے تھے۔ ؎

جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حسنِ انتظام اور ذاتی شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملت کی طرف سے "فتی العرب" (عرب کے سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب "فتی العرب" کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

صفحہ ۲۰۱ ہسٹری آف دی عربس،

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

(مکتوبات جلد اول ص ۲۴۲-۲۵۲)

؎ یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابو ایوبؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلہ سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے ان کی دعائیں سنیں۔

امارتِ حج

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں۔

حج بالناس یزید بن معاویة فی سنة احدی وخمسین وثنتین وخمسین وثلاث وخمسین

یزید بن معاویہ نے ۵۱ھ و ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کئے۔

(ج ۸ ص ۲۲۹ البدایہ والنہایہ)

مورخ اسلام علامہ ذہبی "تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" میں بھی لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ و ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کئے۔ (ص ۹۱ ج ۲)

شیعی مورخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:۔

وحج بالناس فی هذه السنة یزید بن معاویة (جلد ۶ ص ۱۶۱ طبری۔ طبع مصر)

مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا فتح مکہ (۸ھ) کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے اس میں آپؐ ہی امیر حج تھے آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم و تقوے اور فن خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، امیر حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف و اکناف عالمِ اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطبات امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر حضرات حاجیوں سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کی حاجتیں و شکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ

عباسؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کئے اور نہ ان کی اولاد واخلاف نے، الا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بویہ کے زمانۂ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے بروایت مختلف دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ حج معاویۃ بالناس فی ایام خلافتہ مرتین (ص۱۳۳ ج البدایہ والنہایہ) پھر ان کے نائبین میں سے ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے۔

ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے۔ تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نور دیدہ سیدہ ام محمدؓ سے نکاح کیا (ص۶۲ جمہرۃ الانساب ابن حزم) اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیج داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے ان کے بہنوئی ہوتے تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اولے سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابو سفیانؓ کی دختر تھیں (ص۲۵ جمہرۃ الانساب وطبری ص۱۹ ج ۱۲) ان دونوں سالہ بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوش گوار اور انس ومحبت کے رہے۔ دیگر صحابہ واکابرین ومجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران ان کی امارت حج میں مناسک حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المومنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف وعطایہ کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولیعہدی

اسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ولیعہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کے لئے انھوں نے امیر المومنین لائق فرزند یزیدؒ

کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی۔ مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحت ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبان امت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنھوں نے ولایت عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ ان میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔ کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی "الامامۃ والسیاسۃ" اس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولیعہد المسلمین بنایا جائے "الامامۃ والسیاسۃ" جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت وقابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اس فیصلہ کن اجماع کے باوجود امیر المومنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حل وعقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا۔ جو حضرات شیخین (ابو بکرؓ وعمرؓ) کے عہد میں تھا۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر اسی لئے اختیار کیا تھا کہ حج وزیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور امت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی۔ امیر المومنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا۔

اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوشدلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ امت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب گویا امت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا سو وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر و احد و خندق کے غزوں نے انھیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللہ من سوء الظن فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سر و پا باتیں کہی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی۔ تو تمہاری خیر نہیں۔ سر اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آکر بیٹھے ایک ایک فوجی تلوار لئے ان کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ یہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ اور یہ عبد اللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبد اللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولیعہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر پر سے اتر آئے ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:۔

والقوم سکت لم یتکلموا شیئا حذر القتل (ج ۱ ص ۱۶۲)

یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے۔ وہاں حضرت حسینؓ حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا کہ یہ واقعہ سنہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات

میں سے عبد الرحمن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل سنہ ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے "رجل بنخلہ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نامعلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اس کا نام طبری نے "ابو عون" لکھا ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کو "مجہول" بتایا ہے (ج ۳ ص ۳۹۵) اس ابن عون یا ابو عون نے اسمعیل بن ابراہیم سے اور اس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں۔ غرضکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی ہے[1] ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ جو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بھی بے قیمت قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ۔

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق و مخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے۔ موافق ہو مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عمل متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ نے متعدد امور میں اپنی رائے سے

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر ان میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ استوار ہوتی یا کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا اس لئے انھوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنے اصحاب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ انھوں نے مول لے لیا افسوس کہ گمراہ لوگ خاصان خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی ہے مثلاً غزوہ احد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ
ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو
نوجوان شوق جہاد و شہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات، وہ باہر
نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحب وحی نبیؐ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ
رہے تھے۔ اکثریت کی رائے کی پیروی کی گیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت
دی جا سکتی ہے کہ امت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور
اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتب تاریخ وسیر ورجال کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت
عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ
بدستور سابق ہر سال امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں
کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف وعطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کرکے واپس
آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے
کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا موقف ظاہر و باہر ہے حتیٰ کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور
نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسین بن علیؓ تو یا تو انھوں
نے بھی ولیعہدی کی بیعت کرلی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ
وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے۔ یا اگر اختلاف تھا بھی تو
اختلاف رائے کی حد تک تھا۔ یا بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرام
میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ
عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ ان کے علاوہ باقی سب اُمت
عوام الناس پر مشتمل تھی، حالانکہ اس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں
اصحاب بیعت عقبہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر
معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً
تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانہ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد

تک بقید حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ان جلیل
القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا
کیا مقام تھا؟ اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا مقام
متعین کیا جا سکتا ہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ تو بیعت خلافت سے سات سال پہلے وفات
پاچکے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔
اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا ان حضرات کا
اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام کے موقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی کے وقت ۵ برس کے قریب
تھی۔ اور ابن الزبیرؓ کی تو دس برس کی۔ اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا
شمار صغار صحابہ میں کرلیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلے میں ان حضرات کو نہیں رکھا
جا سکتا جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسہا برس گزار دئے اور دین قائم
کرنے میں آپؐ کے زیر تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تاآنکہ بارگاہ خداوندی
سے انھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصۂ کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے مشہور آفاق "مقدمہ" میں ولایت العہد کے بارے میں بحث
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے
۔۔۔۔ کہ حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ
یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس
کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ
اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہئے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے
کو ولیعہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور بعض صرف بیٹے
کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے ہماری
رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر
ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اس کی داعی ہو، مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ
یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی

وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلِ حلّ وعقد صرف یزید ہی کو ولیعہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ ہی سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس سے زیادہ مستحق سمجھے جا سکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بیحد اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۵-۱۷۶ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مؤرخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام ص۹ و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے

امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذلک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ۔

(ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایہ)

خداوند کریم آپ جانتے ہیں اگر میں نے اس کو (یزید) کو اس لئے ولیعہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولیعہدی کو پورا کیجیو اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولیعہد کیا ہو تو اس کی ولیعہدی کو پورا نہ ہونے دیجیو۔

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملّیہ کے تقاضہ کی بناء پر تھی نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلّہ صحابہ کرام کی تحریک وتائید سے ہوا تھا اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود توکید بیعت کے لئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید (ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایہ)

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آتے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملّیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملّت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی۔ امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ہے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج ومخالفت کا جواز نکالا جا سکے۔

رجب سنہ ۶۰ھ میں جس وقت امیر المومنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ معظمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مورخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سنکر ہم لوگ حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

فقلنا یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویۃ فوجم طویلاً ثم قال اللھم اوسع لمعاویۃ اما واللہ ما کان مثل من قبل ولا یاتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم قال تبینا نحن کذالک اذا جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکۃ یدعوہ للبیعۃ فمضی فبایع

(ص۲ الجزء الرابع قسم ثانی کتاب انساب والاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

پھر ہم نے ان سے کہا کہ اے ابوالعباس! قاصد موتِ معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سنکر) وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو واللہ وہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے لیکن ان کے بعد کوئی اُن کے مثل بھی آنے والا نہیں اور ان کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا کہ اسی طرح ہم ان کے (ابن عباسؓ کے) پاس تھے کہ خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباسؓ) کو بیعت کے لئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

مورخ بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحی کے بجائے "غلتبہ بن مسعود" تحریر کیا ہے، روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جاکر سنائی ہے اس وقت وہ کھانا تناول کرنے کے لئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبرِ وفات سنتے ہی دسترخوان اٹھوا دیا اور

کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔

اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ ولما یکن بعدہ مثلہ اللھم انت اوسع لمعاویۃ فینا وفی بنی عمنا ھولا لذی لب معتبر اشتجرنا بینا فقتل صاحبھم غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم وما اغراھم بنا الا انھم لایجدون مثلنا وما اغرانا بھم الا انا لانجد مثلھم وواللہ ان ابنہ لخیر اھلہ اعد طعامک یا غلام! ... حتی جاء رسول خالد بن الحکم الی ابن عباسؓ ان انطلق نبایع

(ص۲۱۳ ج طبع اولیٰ سنہ۱۹۳۰ء)

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں یا اللہ معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔ ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنو عم یعنی بنی امیہ) میں وہ بڑے ذی مرتبت دانشور تھے، ان میں اور ہم میں جھگڑا (تنازعہ) بھی رہا ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب (یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے۔ اگرچہ ہم سے ان کی چشمک تھی مگر ہم جیسا وہ نہ پائیں گے اور نہ ان جیسا ہم پا سکیں گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے۔ ہاں اے لڑکے کھانا لاؤ۔ دسترخوان جب اٹھا دیا گیا خالد بن الحکم (حاکم مدینہ) کا قاصد (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہاسال تک بلاناغہ دمشق جاتے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات وکردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس ذاتی واقفیت سے انھوں نے امیر موصوف کو صالح ونیکوکار بتایا۔ بلاتامل وبطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت وبیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم وفضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔

انھوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

وقد حضرته (یزید) واقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلوٰۃ متحریاً للخیر یسأل عن الفقہ ملازماً للسنۃ (ص۲۳۳ ج البدایہ والنہایہ)

میں ان کے (یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

مجالس علمی اپنے زمانۂ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیرالمومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کرتے فقہ واحادیث کے علاوہ، علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی ایک مرتبہ بنو قضاعہ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اس لئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے۔ یہ وفد وہیں پہونچا۔ صاحب "فتوحات تاریخ الیمن" نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

فلما بلغ ذٰلک قضاعۃ غضبوا شدیداً وانکر واذٰلک اشد الانکار محتد وا واجتمعوا ثم وخلوا مسجد دمشق یوم الجمعۃ علی یزید (ص۸ مطبوعہ بریل لیڈن)

جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا، پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزیدؒ کے پاس پہونچے۔

روایت حدیث امیر یزیدؒ کبار تابعین میں تھے، اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا یعنی حضرت

وحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا۔ اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابو الدرداءؓ (کاتب رسول اللہؐ) اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابۂ کرام سے استفادہ کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہؓ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیرالمومنین عبدالملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذکرہ ابو زرعۃ الدمشقی فی الطبقۃ التی تلی الصحابۃ وھی العلیا وقال لہ احادیثا (ص۲۲۶ ج البدایہ والنہایہ)

اور ان کا (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابو زرعہ دمشقی نے اس طبقہ (روایان حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی) مرویات سے احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے "امیرالمؤمنین" کہہ کر کیا تھا مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی۔

وقال ابن شوذب سمعت ابراھیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبد العزیز یترحم علی یزید بن معاویۃ

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہؒ پر رحمۃ اللہ علیہ

(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴) کہتے سنا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی وابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحیٰی بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنادی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ این چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے محدث مصعب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے "وکان رجلاً صالحاً" (تہذیب ج ۶ ص ۳۰۰) اسی طرح محدث ابو زرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں، "کانوا من صالحی القوم" یعنی یہ لوگ اُمت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذیب) امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبویؐ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایۃ ان یزید لما قال له ابوه: سلنی حاجتک قال له یزید: اعتقنی من النار اعتق الله رقبتک منها، قال: وکیف؟ قال: لانی وجدت فی الآثار انه من تقلد امر الامة ثلاثة ایام حرمه الله علی النار۔ (ص ۲۲۷ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان کے والد نے کہا کہ حاجت وخواہش تمہاری ہو، مجھ سے کہو، تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار (دوزخ) سے بچا لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزید نے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی اُمت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالیٰ اس پر نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا۔

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علوم دین میں یہ سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قرآن کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید وفضله وقراءته القرآن (ج ۱ ص ۱۹۸)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری ومادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی فضیلت کا کیا کہنا، یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا

---

(۱) اُمت محمدیہ کی حرمت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

اُمتِ محمدیہؐ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کے لئے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انك خیر من یزید نفساً فیزید و اللہ خیر لامة محمد منك)
(ج ا ص ۱۹۸)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبار سلطنت و خلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

خطبات جمعہ و عیدین | امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ج ۱ ص ۲۵۶-۲۱۵) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ و عمر الفاروقؓ و علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المؤمنین کی حیثیت میں دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

خطبہ امیر المؤمنین یزیدؒ

الحمد للہ احمدہ واستعینہ و	سب تعریف اللہ کے لئے ہے، اسی کی میں حمد
اومن بہ واتوکل علیہ ونعوذ باللہ	کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں اسی
من شرور انفسنا ومن سیئات	پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا
اعمالنا، من یھد اللہ فلا مضل	ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور برے
لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ	اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے
واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ	اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے
لا شریك لہ وان محمداً عبدہ	ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

ورسولہ اصطفاہ لوحیہ واختارہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے
لرسالتہ بکتاب فصلہ وفضلہ	کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور
واعزہ واکرمہ ونصرہ وحفظہ	اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمدؐ
ضرب فیہ الامثال وحلل فیہ	(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے
الحلال، وحرم فیہ الحرام	اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لئے اللہ
وشرع فیہ الدین اعذارا	نے انھیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور
وانذارا لئلا یکون للناس	اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انھیں
علی اللہ حجۃ بعد الرسل	اختیار کیا انھیں معزز و مکرم کیا ان کی
ویکون بلاغاً لقوم عابدین	مدد کی اور ان کی حفاظت کی۔ اس
اوصیکم عباد اللہ بتقوی	کتاب (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں
اللہ العظیم الذی ابتداء	حلال و حرام کو واضح کیا، دین کے شرائع
الامور بعلمہ، والیہ یصیر	بیان کئے، اعذار و انذار کئے تاکہ لوگوں
معادھا، وانقطاع مدتھا	کو رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے
وتصرم دارھا، ثم انی	اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہونچے
احذرکم الدنیا فانھا	اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے
حلوۃ خضرۃ۔ حفت بالشھوات	بزرگ و برتر سے تقوے کی وصیت کرتا
وراقت بالقلیل، وانیعت	ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدا
بالفانی، وتحببت بالعاجل،	فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
لایدوم نعیمھا ولا یؤمن	میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا
فجیعھا، اکالۃ غوالۃ	دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں
غرارۃ لا تبقی علی حال،	شیریں، خواہشوں سے مملو ہے، تھوڑے
لا یبقی لھا حال، لن تعدوا	پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے
الدنیا اذا تناھت الی	اُنس رکھتی ہے اور جلد بازی سے محبت
امنیۃ اھل الرغبۃ	کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں
فیھا، والرضا بھا،	گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں،

ان تکون کما قال اللہ عزوجل؛ واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کما انزلناہ من السماء ..... (الیٰ قولہ مقتدرًا)

ونسأل ربنا والٰہنا وخالقنا ومولانا ان یجعلنا وایاکم من فزع یومئذ آمنین ان احسن الحدیث وابلغ الموعظۃ کتاب اللہ یقول اللہ بہ۔

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون" اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم "لقد جاءکم رسول من انفسکم ..... الیٰ آخر السورۃ)

(العقد الفرید ص۳۷۸ ج۲ طبع مصر سنہ ۱۳۵۳ھ)

دنیا موذی، ٹھگنی، فریب دینے والی کو ایک حالی پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ ان سے راضی رہتی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے، اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرما دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں"

ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولےٰ ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دینے والے لوگو! بہترین کتاب اور اعلےٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

(اس کے بعد) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورۂ انفال کے نوٰیں پارے کی آیات تلاوت کرکے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔

لقب الخطیب الاشدق | امیر یزید خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے "الخطیب الاشدق" لقب پڑ گیا تھا۔ یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا معاویہ (البیان والتبیین ص۲۰۶ ج۱ للجاحظ) یعنی حضرت معاویہؓ نے اور ان کے فرزند یزیدؒ نیز دونام اور بھی لئے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:۔

کان یزید بن معاویۃ خطیبًا شاعرًا وکان اعرابی اللسان بدوی اللھجۃ۔

یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔ (ص۸۲۴-۸۲۵ ج۴)

سنہ ۴۹ھ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ دمشق میں امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کی خبر پہونچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کرکے لکھا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ بھی تعزیت کے لئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا جب امیر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا۔ علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے:۔

فلما نھض یزید من عندہ قال ابن عباس اذا ذھب بنو حرب ذھب علماء الناس (ص۲۲۹ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

جب یزید ان کے پاس سے اٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اٹھ جائیں گے۔

خصائل محمودہ | علم وفضل، تقویٰ وپرہیزگاری۔ پابندی صوم وصلوٰۃ

؎ عربی زبان کی چاشنی انہی دونوں باتوں سے ہے۔